# غزل کا فن

(ڈاکٹر مسعود حسین خاں)

اُردو میں غالب پہلے شاعر تھے۔ جنہیں وسعتِ بیان کے لئے تنگنائے غزل ناکافی معلوم ہوئی۔ اس کے بعد حالی کے اس فتوے پر کہ یہ بے وقت کی راگنی ہے، عظمت اللہ خاں جیسی نئی پود کا بھرم رکھنے والوں نے اس کو گردن زدنی قرار دیا ہے۔ لیکن یہ تنقید کا صرف ایک رُخ تھا۔ مینائے غزل میں مے باقی رہی اور اس کی آبرو کی لوگوں کو ہمیشہ فکر رہی۔

حالی تا حال غزل پر تنقید کا جس قدر طور ملتا ہے اس کا تجزیہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ بیشتر موضوعات غزل سے تعلقات رکھتے ہیں۔ یعنی تنقید بادہ پر ہے نہ کہ جام پر۔ تنقید کا ایک انداز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غزل کا صنف سخن کی حیثیت سے جائزہ لیا جائے دوسرے الفاظ میں اس کی ہیئت پر غور کیا جائے۔ ذوق کے لفظوں میں یہ دیکھنا جائے کہ غزل ہنستی کیسے ہے، اور جب بنائی جاتی ہے تو شاعر کو کن کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے راہ میں کون کون سے سنگ گراں ملتے ہیں جذبہ کیونکر گفتار کا رنگ اختیار کرتا ہے۔ ہیئت سے موضوع کی طرف تنقید کے اس انداز پر ہیئت پرستی کا الزام درست نہ ہوگا۔ کیونکہ تحقیق و جستجو اور سائنسی نقطۂ نظر کا تقاضہ یہی ہوتا ہے کہ مبادیات سے شروع کی جائے۔ لیلائے غزل کو سیاسی، سماجی اور اخلاقی اقدار کے پسِ منظر میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ ایسا کرتے وقت ظاہر ہے کہ اس کے موضوعات معرض بحث میں زیادہ رہیں گے اور دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے خط و خال اور انداز قد پر غور کیا جائے۔

اس کے خط و خال سے ہم سب واقف ہیں یعنی ہیئت کے اعتبار سے اس کے اجزائے ترکیبی حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) مطلع (۲) ردیف (۳) قافیہ (۴) مقطع اور (۵) بحر

انہیں اجزائے ترکیبی سے اس کا اختصار، کیفیاتی وحدت اور موسیقیت متعین ہوتی ہے۔

جس سے بعد کو غزل کا مخصوص ایمائی اور رمزیہ انداز بنتا ہے۔

ہئیت کے نقطۂ نظر سے میں بحر اور قافیہ کو غزل کا محور سمجھتا ہوں۔ ردیف ایک مزید بندش ہے جسے اُردو شاعر اکثر اپنے اوپر عائد کر لیتا ہے۔ اس سے کچھ اچھے اور کچھ بُرے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ غزلیں غیر مردّف بھی ہوتی ہیں لیکن اُردو کی بیشتر غزلیں مردّف ہی ہیں۔ ردیف کے الفاظ فعل بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسے ہے۔ ہیں۔ یا کھینچ۔ (ع: نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ) اور حروف اور اسم بھی جیسے پر، نہیں، شمع اور نمک (ع کیا مزہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک) غزل کے پاؤں میں ردیف پائل یا جھانجن کا حکم رکھتی ہے۔ یہ اس کی موسیقیت، ترنّم اور موزونیت کو بڑھاتی ہے دوسری طرف اس کے تن نازک کو گرانبارئ زنجیر کا احساس بھی دلاتی ہے۔ فنی لحاظ سے ردیف کی چولیں سب سے پہلے قافیے سے بٹھانی پڑتی ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ کسی ردیف کی چولیں ہر قافیہ کے ساتھ بیٹھ جائیں۔ مثلاً غالب کی اس غزل میں:-

مژدہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے　　دامِ خالی قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس

اس میں "کے پاس" ردیف ہے اور اس کے ساتھ حسبِ ذیل قافیوں کی چولیں بٹھائی گئی ہیں۔ خار، بیمار۔ غمخوار۔ آزار، دستار۔ دیوار۔ لیکن ابھی قافیے اور بھی ہیں سنئے ذوق کے ایک قصیدے کے اسرار۔ بیکار۔ نہار۔ ہار۔ سرکار۔ انوار۔ گفتار۔ اطوار۔ دربار۔ اظہار، تکرار۔ سیار، گلبار یہ تو وہ قافیے ہوئے جنھیں مذکورہ بالا بحر قبول کرتی ہے ورنہ ذوق نے اپنے قصیدے میں ۵۶ ایسے قافیے استعمال کئے ہیں۔ ——— لیکن ان میں سے سب قافیے (مثلاً زنہار۔ درکار وغیرہ) "کے پاس" کی ردیف کے ساتھ نہیں باندھے جا سکتے۔ بعض قافیے ردیف سے تال میل تو کھاتے ہیں لیکن اس طرح کہ قافیے کی پھسلن ہی پر ہزل گوئی کا مزہ آنے لگتا ہے۔

فکرِ سخن میں اچھے اچھے اساتذہ بعض اوقات بولتے ہوئے قافیوں کو تالیع ردیف نہ دیکھ کر باندھنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ اس لئے غزل گو کے لئے لازم ہے کہ حافظہ کمزور ہونے پر وہ اپنے قوا کے مواد کو تخلیقی عمل کی لہر کے ساتھ ہی جمع کر لے۔ اس سے قافیہ پیمائی مقصود نہیں بلکہ اس طرح مواد کی فراہمی اور انتخاب میں مدد ملتی ہے۔

ردیف غزل کے ایجاز و اختصار پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک مخصوص بحر میں پندرہ یا بیس ہم وزن قافیے دستیاب ہیں تو بہت ممکن ہے کہ ان میں سے صرف دس یا بارہ ردیف سے تال میل کھائیں۔ یہی وجہ ہے کہ قصیدہ جو طویل ہوتا ہے اکثر غیر مردّف لکھا جاتا ہے۔

چونکہ غنائی شاعری میں جذبہ شدید اور مختصر ہوتا ہے اسلئے وہ ردیف کی آرائش کو بآسانی قبول کرلیتی ہے۔

ردیف کا قافیہ سے اتصال غزل کا بڑا نازک مقام ہے۔ بعض اوقات فصاحت و بلاغت کے نازک ترین مرحلوں سے یہاں گزرنا پڑتا ہے۔ محاورات زبان کی لطیف ترین شکلوں کا استعمال اس جگہ ملتا ہے۔ قافیہ اگر اسم ہے تو اضافت اور تراکیب کی اعلیٰ ترین شکلیں یہاں ملتی ہیں۔ اگر فعل ہیں تو اس جگہ کیفیت زبان اور محاورہ کی ساری نزاکتیں ٹوٹ پڑتی ہیں۔ دوم درجے کے شاعروں کے یہاں وار اکثر خالی بھی جاتا ہے۔ اسی لئے انتخاب شعر کی رسوائی غالب جیسے شاعر تک کو سر لینا پڑی۔

غزل میں ردیف کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ حالی کی ناپسندیدگی کے باوجود جدید شاعری میں بہت کم اچھی غزلیں غیر مردّف ملتی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ غیر مردّف غزل اچھی نہیں ہوسکتی۔ غالب کی:

نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز

پر کون لبیک نہیں کہے گا، میرا زور اس بات پر ہے کہ تعداد کے اعتبار سے غیر مردّف غزلوں کے مقابلے میں کم ہیں۔

نئے قافیوں کے ساتھ ساتھ نئی ردیفوں کا پیدا کرنا بھی غزل گو کا فنی فریضہ ہے۔ غزل اگر ایک لسانیاتی عمل اور فن ہے تو اس کے فنکار پر اجتہاد اور اختراع کا فرض بھی عاید ہوتا ہے لیکن نئی ردیفوں کے اختراع میں دو دقتیں پیش آتی ہیں۔ عام طور پر رواں دواں اور مترنّم ردیفیں افعال سے بنتی ہیں اور افعال کی شکلوں میں اضافے کرنا ذرا مشکل بات ہے۔ نئے غزل گو کو اس سلسلے میں مرکب اور امدادی افعال سے زیادہ سے زیادہ مدد لینی چاہیئے۔ غزل اسمی ردیفوں کی زیادہ متحمل نہیں ہوتی۔ گو ہمارے صاحبِ دیوان شعراء نے اپنی استادی کے سارے پینترے اس پر صرف کئے ہیں اس کی لسانیاتی وجہ ظاہر ہے۔ افعال بہت سے اعمال کے ساتھ نتھی کئے جاسکتے ہیں جب کہ اسماء کے روابط مخصوص اور محدود ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ دیوان کے دیوان دیکھ جائیے اس قسم کی ردیفیں بہت کم ملیں گی۔ اور اگر ہیں تو غیر مترنّم۔

ردیف کے ساتھ قافیے کا مزید تذکرہ ضروری ہے۔ جس کی تنگی کا حالی کو بھی گلہ تھا۔ لیکن تنگی قافیہ کا گلہ دوسری اصنافِ شعر کے نقطۂ نظر سے کتنا ہی بجا کیوں نہ ہو، غزل کی صنف پر

بے محل ہے قافیہ کے بغیر غزل کا تصور نہیں کیا جا سکتا شاعری بے قافیہ بھی ہو سکتی ہے۔ غزل بغیر قافیہ کے اپنے مخصوص اسلوب اور آہنگ کو برقرار نہیں رکھ سکتی۔

قافیہ کی بندش غنائی شاعری میں عام طور پر اور غزل میں خاص طور پر اس لئے ضروری ہے کہ اس کی جھنکار میں جذبہ کی شدّت اور تخئیل کی رنگینی دونی ہو جاتی ہے۔ یہ بے وجہ کی بندش نہیں کہ اس بندش کو اپنے اوپر عائد کر کے جس شاعر نے کامیابی حاصل کر لی ہے اس کا وار بھرپور ہو گا۔ زندگی میں فنی جمال آزادی سے نہیں بلکہ آداب فن اور ادبی بندشوں سے نکھرتا ہے۔

میں اصولی طور پر فن میں بندشوں کا قائل ہوں اس لئے کہ اس سے ذہن تربیت پاتا ہے اور فن نکھرتا ہے ہاں اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ ناپختہ کے ہاتھوں میں روایت قدامت پرستی میں اور آداب، تکلفات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اُردو شاعری پر تنقید کرتے وقت حالؔی کو ایک ایسا ہی زمانہ ملا تھا۔

قافیہ میں پھر انتخاب کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے قصیدہ گو کا فن یہ ہے کہ وہ ہر ممکن قافیے کو باندھ کر اپنی خاقانیت کا ثبوت دے۔ اس طرح بعض اوقات عجیب و غریب مضحک صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں ذوقؔ کے مشہور قصیدے :-

زہے نشاط اگر کیجئے اسے تحریر عیاں ہو جامہ سے تحریر نغمہ جائے حریر

زحیر و تبخیر کے مضحک قافیوں پر "نکسیر" کا بھی اضافہ کیا ہے۔ بادشاہ سے شاعر کہہ رہا ہے

ترے نسق سے نہ بالکل رہی جو خونریزی لڑائیوں میں کہیں پھوٹتی نہیں نکسیر

معلوم نہیں آخری بے دست و پا مغل بادشاہ پر ذوقؔ کا یہ لاشعوری طنز ہے یا محض قافیہ پیمائی کا شوق۔

قافیہ چونکہ غزل کا محور ہوتا ہے اس لئے اس کی چولیں ایک طرف تو بار بار دہرائی جانے والی ردیف سے بٹھانی پڑتی ہیں اور دوسری طرف اس پر شعر کے پورے خیال کا بوجھ ہوتا ہے۔ اس لئے کسی حد تک قافیہ کی تنگی کا گلہ بجا ہے غلط انتخاب یا تو شعر کو ہزلیات کی حدود تک لے جاتا ہے یا پورا شعر ریت کی دیوار کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔

مشرقی شعریات میں غنائی شاعری کے لئے قافیہ یا تک کا تصور ہر زمانے میں اہم سمجھا گیا ہے۔ شاعر کو "قوافی کا والی و وارث بتایا گیا ہے۔ امراء القیس نے تخلیقی عمل میں اس کی

اہمیت کو اس طرح جتایا ہے۔

"میں آتے ہوئے قافیوں کو یوں ہٹاتا اور دور کرتا ہوں جیسے کوئی شریر چھوکرا ٹڈیوں کو مار مار کر کھاتا ہو۔" بڑے شاعر کے یہاں واقعی قافیے ٹڈی دل بن کر آتے ہیں۔ اس لئے تخلیقی عمل کے ابتدائی مدارج میں انتخاب کو بہت دخل ہوتا ہے۔

غنائی شاعری کا موسیقی سے جو گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ اس کو مدِنظر رکھتے ہوئے۔ کہا جا سکتا ہے کہ قافیہ غزل میں اس مقام پر آتا ہے جہاں موسیقی میں طبلے کی تھاپ دونوں میں تاثر اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔

ردیف اور قافیہ دونوں بحر کی موج پر اُبھرتے ہیں۔ جس طرح بحر وزن کے ماحول میں سانس لیتی ہے اسی طرح قافیہ اور ردیف دونوں بحر کے تابع رہتے ہیں قافیہ اور ردیف بحر کی موزونیت کو افزوں تر کرتے ہیں۔ ترنم ریزی کی شدت میں شاعر اکثر اندرونی قافیوں سے بھی کام لیتا ہے اقبال مسجد قرطبہ میں ترنم کے اس مقام تک پہنچتے ہیں۔

قطرۂ خونِ جگر دل کو بناتا ہے سِل — خونِ جگر سے صدا سوز و سرور و سرود
تیری فضا دل فروز میری نوا سینہ سوز — تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود

غزل کا انتخاب غزل گو شعوری طور پر نہیں کرتا۔ یہ جذبہ اور کیفیت سے متعین ہوتی ہے۔ مشقیہ شاعری یا مصرعہ طرح کی بات اور ہے ورنہ کوئی بھی شاعر مصرع طرح سامنے رکھ کر غزل شروع نہیں کرتا۔ اس کا پہلا مصرع (ضروری نہیں کہ مطلع ہی ہو) جذبے یا کیفیت کے ساتھ خود بخود ذہن سے گنگناتا ہوا نکلتا ہے۔ یہ اس بات کا اعلان ہوتا ہے کہ بحر متعین ہو چکی ہے۔ قافیہ بھی متعین ہو چکا ہے اور اگر ردیف ہے تو وہ بھی۔ نظم گو اس کے برعکس نسبتاً آزاد رہتا ہے۔ کیونکہ قافیہ اور ردیف کا تنوع اس کے یہاں ممکن ہے۔ غزل گو پہلے شعر یا مصرع کے ساتھ ہی غزل کی ہیئت کا خول پہن لیتا ہے۔ اس کا سارا فن اور سارا کمال اب یہی ہے کہ اپنے اس محدود میدان میں جولانی طبع دکھائے، چاول پر قل ہو اللہ لکھے۔ قطرہ میں دجلہ ڈھونڈھے اور آنکھ کے تل میں آسمان دیکھے۔

ہر بحر کا مخصوص مزاج ہوتا ہے جس کا رشتہ قومی موسیقی سے جا ملتا ہے لیکن جس کا عمل ہم غزل میں اس طرح دیکھتے ہیں کہ بعض بحریں مخصوص قسم کے جذبات کے ساتھ بہتر تال میل رکھتی ہیں۔ مثلاً بحر متقارب شانزدہ رکنی۔

فِعلن ، فَعِلن ، فعلن ، فعلن ، فعلن ، فعلن ، فعلن فع

جس مین غالب کے منتخب دیوان میں ایک غزل بھی نہیں ملتی۔ میر نے اس میں اکثر کہا ہے فانی کے یہاں بھی یہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اُبھری ہے۔ علم عروض کا قومی موسیقی اور مزاج کے ساتھ گہرا رشتہ ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ شاعر اپنے ذہن کی مخصوص افتادہ کی بناء پر کچھ بحروں کو دوسری بحروں پر ترجیح دیتا ہے۔

چنانچہ میرا خیال ہے کہ اچھی غزل میں فکری اعتبار سے کتنی ہی ریزہ کاری کیوں نہ ملتی ہوں۔ اس میں ایک اندرونی اور کیفیاتی وحدت پائی جاتی ہے بحر اس وحدت کی پہلی پہچان ہے۔ طویل اور آہستہ دو بحروں میں نشاط اور سرخوشی کی کیفیات کا اظہار مشکل یا کم از کم مصنوعی ہوتا ہے۔ اسی طرح کچھ بحریں اس قدر رواں دواں ہوتی ہیں، کہ فکر کا بار نہیں اٹھا سکتیں۔

ردیف قافیہ اور بحر کے اس تجزیے کے بعد یہ باتیں خود بخود سمجھ میں آنے لگتی ہیں کہ غزل مختصر کیوں ہوتی ہے (بہت کم اچھی غزلیں تیرہ یا پندرہ اشعار سے اوپر جاتی ہیں) اس میں ریزہ خیالی کیوں ہوتی ہے اور معنوی تسلسل پایا جاتا ہے۔ اس اندرونی وحدت کی نشان دہی میں حسب ذیل اجزا سے مدد ملتی ہے۔

(۱) **مطلع** :۔ کہ اکثر اوقات قافیہ اور ردیف کا تعین اس سے ہوتا ہے اور اس کے جذبہ کی تھرتھراہٹ اختتام غزل تک نہیں تو کم از کم پہلے چند اشعار تک قائم رہتی ہے۔ یہاں تک وجدان شعری قافیہ پر حاوی رہتا ہے۔ اس کے بعد ارادی عمل شروع ہوتا ہے۔ اور تجسس، علم اور حافظہ کام میں لائے جاتے ہیں۔ غزل کے ابتدائی اشعار پر مطلع کے اثرات بہرحال مسلّم ہیں۔

(۲) **ردیف** :۔ جذباتی وحدت کا تعین ردیف سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ جس کا ٹھپہ ہر غزل کے ہر شعر پر ہوتا ہے۔ مثلاً غالب کی یہ غزل :۔

نکتہ چیں ہے غم دل اسکو سنائے نہ بنے　　کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

میں "نہ بنے" کا ٹھپہ اس غزل کے ہر خیال پر ہے۔ چاہے اس کا تعلق بات نہ بنے سے ہو یا خط کے چھپانے سے یا آتش عشق کے بجھنے اور لگنے سے۔ "نہ بنے" کا یہ ٹکڑا مجبوری اور عجز کی کیفیات کا حامل ہے۔ پوری غزل اٹھا کر دیکھ جائیے۔ ہر شعر اور ہر خیال اسی سانچے میں ڈھلا ہوا نظر آئیگا۔

غزل کی ہیئت کا اس کے اسلوب پر بھی اثر پڑا ہے۔ غزل کا اسلوب ایجاز و اختصار، رمز و کنایہ مجاز، تمثیل، استعارہ و تشبیہہ سے مرکب ہے۔ اس لئے اس میں وہ تمام خوبیاں اور خامیاں ملتی

ہیں۔ جو "سخن مختصر" کی خصوصیات ہیں۔ شدّت، تاثر، موسیقیت اور بلاغت کے اعلیٰ ترین مدارج تک زبان اسی پیرایہ میں پہنچتی ہے۔ بادہ و ساغر کا استعارہ ہو یا لالہ و گل کا پردہ لیلائے غزل کے لئے ضروری ہے۔ لیکن یہ اسلوب واقعاتی، ڈرامائی اور بیانیہ شاعری میں بلائے جان بن جاتا ہے۔

غزل ہمارے ہاں غنائی شاعری کی صرف ایک شکل ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم دوسرے انداز میں نہیں گا سکتے۔ یہ کسی دوسرے اصنافِ سخن کی حریف نہیں، کیونکہ اس کا اپنا دائرۂ عمل ہے لیکن یہ ہیئت کے اعتبار سے بے وقت کی راگنی کبھی نہیں ہوتی۔ یہ ایک پیمانہ ہے۔ جس میں جس قسم کی کشیدِ دل چاہیے بھر دیجئے اور ہمارے شعرا بھرتے رہے ہیں۔ اردو کے ابتدائی دور میں یہ فارسی کی نقل بن کر ہمارے سامنے آئی۔ میرؔ کے ہاتھوں حسن کی نیم خوابی اور دِل کے پھپھولوں کی ترجمانی بنی۔ غالبؔ نے اسے تفکّر بخشا اور اپنی بصیرت عطا کی۔ اس میں دھول دھپّا بھی کھیلا گیا۔ یہ اسرارِ خودی اور رموزِ بے خودی کی بھی حامل بنی اور آج آتش و آہن کا کھیل کھیل رہی ہے۔

یہ تھی اور ہے۔ سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کیا رہے گی؟ کیا ہمارے نئے ہند ایرانی تہذیبی ماحول میں اس کی ضرورت آئندہ محسوس ہوگی۔ لیکن یہ سوال صرف صنف غزل تک محدود نہیں اس کا اطلاق عام غنائی شاعری پر بھی ہو سکتا ہے عہدِ جدید کے تمام معاشرتی رجحانات کسی نہ کسی قسم کے اشتراکی سماج میں عوامی موسیقی کی طرح غنائی شاعری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ غزل بنیادی طور پر ایک انفرادی فنکارانہ عمل ہے۔ لیکن اس کے جذبات کی عمومیت مسلّم ہے۔ کیونکہ یہ عمومیت سرشت انسانی کی وحدت اور جبلتوں کی یکسانی پر مبنی ہے اور یہ عمومیت ماضی حال اور مستقبل تینوں زمانوں کا احاطہ کرتی ہے۔